امام طحاویؒ

(۳)

از جناب مولوی سید قطب الدین صاحب حسینی صابری۔ ایم،اے (عثمانیہ)

مصر میں حنفیت کی حالت

بہر حال یہ قصے تو موالک اور شوافع کے درمیان مصر میں جاری تھے رہی حنفیت تو اس کا ابتدائی حال تو وہی تھا کہ مصری قاضی اسمٰعیل بن الیسع کو صرف اسلئے برداشت نہ کرسکے کہ وہ حنفی تھے اور یہ حال تو مصر کا اس وقت تھا جب اس ملک پر زیادہ تر مالکیت ہی کا رنگ غالب تھا پھر امام شافعیؒ کی تشریف آوری کے بعد شافعیت کے اثرات بھی اس ملک پر قائم ہوئے تو بظاہر یہی قیاس ہونا چاہئے کہ حنفیت سے مصر کو بجائے قرب کے بُعد ہوگیا ہوگا۔ لیکن جہانتک واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، چند قدرتی امور ایسے پیش آتے رہے کہ معاملہ کی نوعیت یہ نہ ہوسکی۔

ایک بڑا واقعہ تو قاضی اسحاق بن الفرات التجیبی کے تقرر ہی کا ہے، قضا کے عہدہ پر ان کے تقرر کا قصہ بھی عجیب ہے، واقعہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ جس زمانہ میں مصر آئے ہیں ان سے کچھ دن پہلے حکومتِ عباسی کے محکمہ عدلیہ کا اختیار قاضی ابو یوسفؒ کے ہاتھ میں آچکا تھا۔ اس بنا پر جہاں اور تمام علاقوں میں زیادہ تر حنفی مکتب خیال کے قضاۃ کا تقرر ہوا، مصر میں بھی حکومت نے ایک کوفی عراقی قاضی کو بھیجا جن کا نام محمد بن مسروق تھا، یہ بڑے جاہ و جلال کے قاضی تھے۔ ان سے پہلے مصر میں قضاۃ سرکاری کاغذات کو بستے میں باندھ کر اپنے ساتھ لایا کرتے تھے مگر اس شخص نے باضابطہ دفتر قائم کرکے تمام متعلقہ کاغذات کو مہر لگانے کے بعد دفتر ہی میں محفوظ کرانے کا طریقہ جاری کیا[۱] مگر ظاہری

۱؎ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ج ۲ ص ۱۳۳

جاہ وجلال کے سوا باطن کچھ بہتر نہ تھا، السیوطیؒ نے لکھا ہے

لم یکن المحمود فی ولایتہ وکان — اپنے عہدہ کے فرائض کی ادائیگی میں قابلِ ستائش نہ تھے

فیہ عتو وتجبر [۵۱] — ان کے مزاج میں بڑائی اور زبردستی کا مادہ تھا۔

اور غالباً ان ہی وجوہ سے مصریوں نے اس حنفی قاضی کو بھی واپس کیا۔ اسی زمانہ میں امام شافعیؒ قیام کرنے کے لئے مصر پہنچے، محمد بن مسروق کی جگہ قاضی کی تلاش تھی، حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰق بن الفرات کا محمد بن مسروق الکندی کی جگہ قضاء کے عہدہ پر جو نیابتًا تقرر ہوا اس میں امام شافعیؒ کا بھی ہاتھ تھا، امام کا قول یہ نقل کیا ہے کہ

اشرت الی بعض الولاۃ ان یولی — میں نے بعض والیوں کو اشارہ کیا کہ اسحاق بن فرات

اسحٰق بن الفرات القضاء [۵۲] — کو یہ عہدہ سپرد کیا جائے یعنی قضا کا۔

اسحٰق بن الفرات اگرچہ مسلکاً حنفی تھے تاہم حضرت امام شافعیؒ نے ان کی بحالی کی جو سفارش کی اس کی وجہ بھی خود ہی یہ بیان فرمائی ہے کہ

فانہ یتخیر وعالم باختلاف — (باوجود مقلد ہونے کے) پھر بھی اپنی خاص رائے اختیار کرتے ہیں

من مضی — اور گذشتہ زمانہ کے اختلافات سے بھی واقف ہیں۔

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ گو عمومی طور پر ان کا رجحان اسلامی قانون کی تشریح میں حنفی مکتبِ خیال کی طرف تھا لیکن اس کے ساتھ خود اپنی ذاتی رائے بھی رکھتے تھے " فانہ یتخیر" کا یہی مطلب ہے۔ " وعالم باختلاف من مضی" سے اشارہ اس طرف تھا کہ حوادث و واقعات پر حکم لگانے میں یہ فوراً قیاس کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ گذشتہ بزرگوں کے اختلافات کے چونکہ عالم ہیں اس لئے ان کو بھی اجتہاد کے وقت پیشِ نظر رکھتے ہیں، اس واقعہ سے اگر ایک طرف حضرت امام شافعیؒ کی بے تعصبی کا

---

۵۱ حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۸۹۔ ۵۲ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۷

پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کا جو نصب العین تھا اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اسحٰق کے بعد حنفیوں میں سے اور بھی چند قضاۃ مصر میں آتے رہے، جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کے خاندان کے ایک بزرگ ہاشم بن ابی بکر بن عبداللہ بن ابی بکر بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سیوطی نے اور صاحب جواہر مضیہ، نیز الکندی، سبھوں نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ

کان یذھب بمذھب ابی حنیفۃ[۵۱] وہ ابوحنیفہؒ کے مسلک پر چلتے تھے۔

ان سے پہلے مصر میں حضرت عمرؓ کے خاندان کے ایک بزرگ قاضی تھے جن کا نام عبدالرحمٰن العمری تھا اور ہاشم "البکری" کی نسبت سے منسوب تھے، عبدالرحمٰن اپنی ولایت میں محمود ثابت نہ ہوئے "البکری" اور "العمری" دونوں قاضیوں کے درمیان حساب وکتاب کے معاملات میں بعض ناگوار واقعات پیش آئے یہانتک کہ العمری کو جیل جانا پڑا، رات کو دیوار پھاند کر بھاگے، شاعر نے شعر کہا

ھرب الخائن لیلاً فجمح وانی امراً قبیحاً فافتضح

مگر ہاشم ان خوش قسمت قاضیوں میں ثابت ہوئے جن کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ

توفی بمصر وھو علی قضائھا[۵۲] ان کی وفات مصر ہی میں ہوئی جبکہ وہ قضا کے عہدہ پر سرفراز تھے

ورنہ اس زمانہ میں ایسا واقعہ بہت کم پیش آتا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم کی وجہ سے مصریوں پر حنفیت کے متعلق اچھا اثر پڑا تھا[۵۳] لیکن ان کے بعد ابراہیم بن الجراح جو قاضی ابویوسفؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ

---

[۵۱] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۸۹ - [۵۲] الکندی

[۵۳] یہاں ایک بات ایسی ہے جس کے ذکر کئے بغیر جی نہیں مانتا، ابراہیم بن الجراح ہی کی طرف قاضی ابویوسف کی موت کے وقت کا واقعہ منسوب کیا جاتا ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ قاضی ابویوسفؒ بیمار تھے میں عیادت کے لئے گیا، ان کی حالت غیر تھی لیکن اس وقت بھی مجھے دیکھکر فرمایا کہ ابراہیم رمی جمار پیدل کرنا مستحب ہے یا سوار ہوکر (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

ھو اٰخر من روی عن ابی یوسف — قاضی ابو یوسف سے روایت کرنے والوں میں سب سے آخری آدمی وہی ہیں افسوس ہے کہ باوجود فضل وکمال کے وہ اپنے لڑکے کی اندھی محبت میں صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہ سکے السیوطی اور الکندی دونوں نے لکھا ہے۔

فلما قدم ابنہ من العراق تغیر — جب ابراہیم کے صاحبزادے عراق سے ان کے پاس مصر آئے تو
حالہ وفسدت احکامہ۔ لہ — ان کی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا اور ان کے فیصلے ٹھیک نہ رہے

الغرض اچھے ہوں یا بُرے لیکن حنفی قاضیوں کی آمد ورفت کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے مسلک سے مصریوں میں جو وحشت تھی وہ بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہئے تھا، کتابی شکل میں امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے علوم سے مصری دراصل اس وقت تک صحیح طور پر واقف نہ ہوئے جب تک ایک خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

ایک خاص واقعہ مغرب (قیروان) کے ایک صاحب جن کا نام اسد الدین بن الفرات تھا، طلب علم کے شوق میں مغرب سے مصر پہنچے۔ اور امام مالکؒ کے تلامذہ خصوصاً ابن القاسم سے ان کو بڑی خصوصیت پیدا ہو گئی کچھ دن ان کے پاس قیام کر کے اپنے ملک کے دستور کے خلاف بجائے وطن کی طرف واپس لوٹنے کے مصر سے عراق پہنچ گئے۔ عراق میں ان کی رسائی محمد بن الحسن الشیبانی تک ہوئی، ایک پڑھے پڑھائے عالم شاگرد کا ہاتھ آنا، امام محمد کی خاص توجہ کا باعث ہوا، مورخین کا بیان ہے کہ امام محمد نے اسد بن الفرات کو صرف پڑھایا ہی نہیں تھا بلکہ "زقہ محمد بن الحسن الشیبانی الفقہ زقا" (نظرۃ تاریخ تیمور پاشا مصری) یعنی جیسے کبوتر اپنے بچوں کی چونچ میں چونچ ڈالکر دانہ کھلاتے ہیں، گویا اسی طرح امام محمدؒ نے حنفی فقہ اور اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نے پیدل کہا، بولے نہیں، میں نے کہا تو سوار ہو کر، بولے یہ بھی غلط، پھر مسئلہ کی تفصیل کی، میں باہر نکلا، کہ اندر سے شور کی آواز آئی معلوم ہوا کہ قاضی ختم ہو گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی آخری سانس تک ان ہی لوگوں نے خدمت کی۔

ملاحظہ ونقادِ نظر اسد بن الفرات کو گھول کر پلا دیئے۔ اسد عراق سے ایک نئے علم اور اس کے ذخیرے کو لیکر جب دوبارہ لوٹ کر مصر آئے تو عراق میں" اسلامی قانون" کی تدوین کا کام جس شان سے ہوا تھا اس کی رپورٹ مصری علماء کو انھوں نے ان الفاظ میں سنائی۔ امام طحاویؒ نے دو واسطوں سے اپنی تاریخ میں اسد بن الفرات سے یہ بیان نقل فرمایا ہے۔

كان اصحاب ابي حنيفة الذين	ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں جن لوگوں نے کتاب (فقہ
دونوا الكتاب اربعين رجلا وكان في العشرة	حنفی) پر مرتب کی یہ چالیس آدمی تھے، جن میں دس آدمی
المتقدمين ابو يوسف وزفر وداود	جن کو سب پر تقدم حاصل تھا حسب ذیل حضرات
الطائي واسد بن عمرو ويوسف بن خالد	تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف
السمتي ويحيى بن زكريا بن ابي زائدة	بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ اور یحییٰ ہی وہ
وهو الذي يكتبها لهم ثلثين	شخص ہیں جنھوں نے تیس سال تک علماء کی اس مجلس
سنة [1]	شوریٰ کے فیصلوں کے لکھنے کا کام انجام دیا [2]

تیس سال تک" وضع قوانین" کی اس مجلس[3] کو ایسے زبردست اراکین اور ممبروں کی رہنمائی میں کام کرنا، جن میں ہر ایک اسلامیات اور عربی ادبیات کے کسی نہ کسی شعبہ کا امام ہو، اور امام ابو حنیفہؒ جیسے صدر

---

[1] الجواہر المضیہ بحوالہ تاریخ طحاوی ج ۱ ص ۱۴۲۔

[2] اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام کی تکمیل میں کم وبیش تیس سال کا عرصہ لگا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جس میں امام ابو حنیفہؒ کی وفات واقع ہوئی لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ تیس سال تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ یحییٰ کی ولادت ۱۲۰ھ میں عمل میں آئی اس لئے وہ تیس سال تک اس کام میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں۔ ۱۲

[3] میں نے امام ابو حنیفہؒ کی اس مجلس علماء کی تعبیر قصداً مجلس وضع قوانین کے الفاظ سے کی ہے تاکہ وضع قوانین کے شورائی طریقہ کی ایجاد کا آج جو مغرب مدعی ہے یا اسے اپنے رومانی ویونانی اسلاف کی خصوصیت قرار دیتا ہے اس کی غلطی ثابت ہو، ہاں دونوں مجلسوں میں اگر فرق تھا تو صرف اس قدر کہ مغربی مجالس قانون کے اساسی اصول ملک کے قدیم رسم وروایات یا رومانی ویونانی قوانین ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کی یہ مجلس بجائے اس کے کتاب وسنت وآثارِ صحابہ کی روشنی میں قانون بناتی تھی ۱۲۔

کی نگرانی میں یہ کام ہوتا رہا ہو، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصری علمار جواب تک اس طریقہ سے ناواقف تھے ان پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ ان بیچاروں کو مالکی فقہ یا شافعی مجتہدات کے متعلق جو کچھ تجربہ ہوا تھا وہ انفرادی کام کا ہوا تھا، یعنی ایک عالم اپنے معلومات کو سامنے رکھکر ذاتی طور پر حوادث وواقعات کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا تھا لیکن یہ صورت کہ صدر مجلس شریعتِ اسلامی کے ہر باب کے متعلق روزانہ سوالات کی ایک فہرست اراکین مجلس کے سامنے پیش کرتا ہے، مجلس کے ہر رکن کو حکم ہے کہ اپنی اپنی خصوصی معلومات کی روشنی میں ہر سوال کے متعلق حکم پیدا کریں۔ ہر شخص اپنے خیالات صدر کے سامنے باری باری سے پیش کرتا ہے سب کی رائے سُنی جاتی ہے، اس پر بحث وتنقید ہوتی ہے، آخر میں صدر لوگوں کو اپنی رائے سے مطلع کرتا ہے پھر مجلس کے اراکین کبھی اس سے اتفاق کرتے ہیں اور کبھی اختلاف، اس درمیان میں مجلس کی پوری کارروائی یا کم از کم مباحث کے نتائج ایک شخص باضابطہ ان کو اپنے رجسٹر میں درج کرتا چلا جاتا ہے، اس کو حکم ہے کہ ہر رکن کی رائے خواہ مخالف ہو یا موافق سب کے نام کی تفصیل کے ساتھ رجسٹر میں درج کی جائے اور یونہی یہ کام تیس سال تک جاری رہتا ہے، تا اینکہ "اسلامی قوانین" کا ایک طومار تیار ہو جاتا ہے[1]۔ جیسا کہ امام محمدؒ کے حالات میں لوگ لکھتے ہیں، اسلام کے مختلف ابواب کے متعلق تقریباً نوسو (۹۰۰) کتابیں مجلسِ شوریٰ کے اسی رجسٹر سے انھوں نے تیار کیں۔ آج وہی کتابیں، کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب المعاقل، کتاب المساقاۃ، وغیرہ کے نام سے فقہ کی کتابوں کی جزبنی ہوئی ہیں۔

جہانتک میرا خیال ہے اسد بن الفرات کی یہ رپورٹ مصریوں کے لئے ایک انقلابی رپورٹ تھی بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے وضع قوانین کی اس مجلس کی مدونہ کتابوں کی نقلیں بھی اسد اپنے ساتھ عراق سے مصر لائے، اور "الذین دونوا الکتب" سے ان ہی منقولہ کتابوں کی تدوین کی کیفیت کی طرف اشارہ

---

[1] فقہ حنفی کی تدوین مذکورہ بالا شورائی طریقہ سے ہوئی یہ ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہے لیکن جو کچھ عرض کیا گیا ہے آپ کو احناف کے طبقات اور ان کے مناقب میں اس کی تفصیل آسانی کے ساتھ مل سکتی ہے۔ بخوف طوالت بیان حوالوں کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

کرتے تھے، بعض واقعات مثلاً طحاوی کے حوالہ سے عموماً کتابوں میں المزنی کے متعلق جو یہ فقرہ نقل کیا جاتا ہے کہ

کان یدیم النظر فی کتب ابی حنیفہ [1] — المزنی ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ برابر کرتے رہتے تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں امام ابوحنیفہؒ کے اسکول کی کتابیں پھیل چکی تھیں جہاں تک میرا خیال ہے منجملہ اور ذرائع کے مصر میں حنفی مسلک کی کتابیں زیادہ تر اسد بن الفرات ہی کے توسط سے پہنچی ہیں۔

فقہ مالکی کی تدوین و ترتیب — بہرحال میرا خیال ہے اور قرائن اور قیاسات اس کے مؤید ہیں کہ اسد بن الفرات جب عراق سے مصر واپس ہوئے تو حنفی مذہب کے متعلق مصر نے ایک نئی کروٹ لی، اور اسد ہی کی بدولت "مالکی فقہ" جو اب تک غیر مرتب حال میں اور زیادہ تر "درسینہ" تھا اس کی ترتیب اور سفینہ میں لانے کا خیال بھی مالکی مذہب کے علماء کو پیدا ہوا۔ ابنِ خلکان کی اس سلسلہ میں تو صریح اور واضح شہادت ہے کہ مالکی مذہب کی اساسی کتاب "المدونہ" کی ترتیب کا خیال عراق سے اسد بن الفرات کی واپسی کے بعد ہی پیدا ہوا، ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

اول من شرع فی تصنیف المدونۃ اسد بن الفرات المالکی بعد رجوعہ من العراق [2] — "المدونہ" کی تصنیف جس شخص نے ابتداء میں شروع کی وہ اسد بن الفرات مالکی ہیں عراق سے لوٹنے کے بعد اس کام کو انھوں نے شروع کیا۔

خود اسد بن الفرات کا مدونہ کی تدوین کی طرف متوجہ ہونا اس کی دلیل تھی کہ جو کچھ انھوں نے عراق میں دیکھا تھا، اسی طرزِ عمل کو "مالکی فقہ" کی تدوین کے متعلق اختیار کرنا چاہتے تھے بلکہ قاضی ابن خلکان کے الفاظ "بعد رجوعہ من العراق" کے بعد تو اس میں شک کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

المدونہ کی تدوین کیونکر ہوئی — مگر "المدونہ" کی تدوین کا کام کس طرح مکمل ہو کر موجودہ شکل تک پہنچا، اسکی

---

[1] ابنِ خلکان ص ۱۹۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۹۲

داستان بھی عجیب ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اسد بن الفرات کے مالکی استاذ، ابن القاسم جن کا ذکر بار بار آچکا ہے اور امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے ان میں اور اسد بن الفرات میں مدونہ کی تدوین کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی، اس مشورہ کا مفصل حال تو مجھے نہ مل سکا، لیکن ابن خلکان کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس وضع قوانین کے ایک ناقص چربہ اتارنے کی کوشش مدونہ کی تدوین میں کی گئی، قاضی ابن خلکان نے المدونہ کی ابتدائی تدوین کی حالت بیان کرتے وقت لکھا ہے۔

اصلھا اسئلۃ سأل عنھا	مدونہ کی اصل دراصل وہ سوالات ہیں جو ابن القاسم سے
ابن القاسم فاجاب عنھا	پوچھے گئے اور انھوں نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔

یعنی جیسے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں پہلے سوالات قائم کرلئے جاتے تھے اور پھر جوابات ان کے نیچے درج ہوتے تھے، یہی طریقہ کار مدونہ کی تدوین میں بھی اختیار کیا گیا۔ لیکن کہاں امام کی مجلس کے سوالات کے متعلق ہر ہر رکن کا اپنا خیال ظاہر کرنا اور پھر ہر ایک کا اپنے نقطۂ نظر کی توجیہ میں وجوہ پیش کرنا، ان پر بحث ہونا، بالآخر کسی نتیجہ تک وفاقاً یا اختلافاً مجلس کا پہنچنا اور ہر ایک کی رائے کا بجنسہ مجلس کے رجسٹر میں درج ہونا، اور کہاں ایک ابن القاسم کے جوابات دونوں میں جو فرق ہوسکتا تھا سو ظاہر ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے "مدونہ" کے سوالات اسد ابن الفرات نے حنفی مکتب خیال ہی کی کتابوں کی روشنی میں پیدا کئے ہوں گے اور ابن القاسم نے ان سوالات کے متعلق جو کچھ امام مالکؒ سے سنا ہوگا وہ یا امام مالک کے اصول اجتہاد کو پیش نظر رکھکر جو کچھ ان کے اور ان کے رفقاء کار کی سمجھ میں آیا ہوگا وہ سب درج کرائے ہوں گے، جس کے معنی یہ ہی ہوئے کہ اگر اسد بن الفرات اسلامی قوانین کی ترتیب کا طریقہ عراق سے سیکھ کر نہ آتے تو حضرت امام مالکؒ اور ان کے تلامذہ کا علم منتشر اور پراگندہ حالت ہی میں رہ جاتا، آخر اگر یہ واقعہ نہ تھا تو "مدونہ" کی تدوین کا خیال عراق سے جب اسد واپس آئے اسی وقت کیوں پیدا ہوا، حنفی مورخین جو اپنی کتابوں میں یہ نقل کرتے ہیں کہ علامہ ابن سریج الشافعی جو شوافع کے

طبقہ میں "الباز الاشہب" کے لقب سے مشہور ہیں اور تیسری صدی کے مجددوں میں بعضوں نے ان کو گنا ہے، چار سو کتابوں کے خود مصنف تھے، انھوں نے کسی کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ پر کچھ طنز کر رہا ہے۔ ابن سریج نے (یاھذا) کہتے ہوئے اس کو مخاطب کیا اور فرمانے لگے۔

انقع فی ابی حنیفۃ وثلاثۃ	امام ابوحنیفہؒ کی شان میں باتیں کرتے ہو حالانکہ تین چوتھائی حصہ
ارباع العلم مسلمۃ لہ وھو	علم امام ابوحنیفہ کے لئے مسلم ہے اور امام ابوحنیفہ کسی دوسرے
لایسلم لھم الربع	کی ایک چوتھائی علم کے بھی رہین منت نہیں ہیں۔

ابن سریج کی اس عجیب بات کو سنکر طعن کرنے والے نے ان سے حیرت سے پوچھا کیف ذلک (آخر یہ کیسے ہے) ابن سریج نے فرمایا، اور عجیب بات کہی۔

لان العلم سوال وجواب،	علم در اصل سوال وجواب کے مجموعہ کا نام ہے، تو سوالات جتنے
وھو اول من وضع الاسئلۃ	علم (فقہ) کے ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اسلئے
فلہ نصف العلم واجاب عنھا	آدھا علم تو بالکلیہ ان ہی کا حصہ ہوا، پھر ان سوالات کے جوابات
فقال مخالف فی البعض	بھی انھوں نے دیئے، اب جو لوگ ان کے مخالف ہیں وہ کہتے
"اصاب" وفی البعض "اخطاء"	ہیں کہ ان جوابوں میں بعضوں میں تو وہ حق پر ہیں اور بعضوں
فاذا قابلنا صوابہ بخطائہ	میں ان سے چوک ہوئی ہے پس جب ہم ان جوابوں کو جنھیں
فلہ نصف النصف ایضاً	سب صحیح سمجھتے ہیں اور ان جوابوں کو جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے
فسلم لہ ثلاثۃ ارباع العلم	کہ امام سے چوک ہوئی ہے دونوں کو جب ملاتے ہیں تو صحیح جوابوں
بقی الربع فھو یدعیہ ومخالفوہ	کی مقدار کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ نصف کا نصف بھی امام ہی کا
یدعونہ وھو لایسلمہ لھم۔	حصہ ہوا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ تین چوتھائی حصہ فقہ کا
(مقدمہ مسانید الامام الاعظم ج ا ص ۳۴)	تو مسلم ابوحنیفہ ہی کا ہوا۔ البتہ ایک چوتھائی باقی رہ جاتی ہے امام

ان کی صحت کے مدعی ہیں اور ان کے مخالف اس کو نہیں مانتے مگر امام اس چوتھائی میں بھی ان لوگوں کی بات نہیں مانتے۔

امام ابوحنیفہؒ اوران کی مجلس کے اراکین کا اس باب میں پیش رو ہونا ایک ایسی بات تھی جو تقریباً اس زمانہ میں مسلّم تھی، احمد بن عبداللہ قاضی بصرہ نے بھی "الشروط" یا "وثائق و معاہدات" کی تعبیر میں اس کا اقرار کیا تھا" الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ" جس کے متعلق احناف میں مشہور ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا مقولہ ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ابن سریج کا بیان غالباً امام شافعیؒ کے اسی قول کی شرح ہے۔

بہرحال جہانتک فرائض وقیاسات کا اقتضا رہے، اسد بن الفرات کے سوالات حنفی مکتب خیال کی کتابوں اوران لوگوں کی تعلیم ہی کی روشنی میں قائم کئے گئے تھے، رہے جوابات، توگو عموماً مشہور یہی ہے کہ ابن القاسم کے لکھوائے ہوئے ہیں، لیکن ابن خلکان ہی نے اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس سے تو کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ ابن خلکان نے اس کے بعد لکھا ہے کہ اسد بن الفرات اس کتاب کو یعنی اپنے سوالات اور ابن القاسم کے جوابات کے مجموعہ کو لیکر قیروان پہنچے، وہاں ان کے شاگرد مالکی مذہب کے مشہور عالم سحنون ہوئے، تعلیم کے ساتھ اس کتاب کو بھی لکھا۔

کتبہا عنہ سحنون — سحنون نے اسد سے یہ کتاب بھی نقل کی۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ مغرب میں اس وقت تک اس مجموعہ کا نام بجائے "المدونۃ" کے اسد بن الفرات کی نسبت سے "الاسدیہ" ہی تھا مگر بعد کو سحنون خود ابن القاسم کی خدمت میں مصر آئے اس کے بعد ابن خلکان نے جو بات لکھی ہے اسی کو مجھے پیش کرنا مقصود ہے وہ لکھتے ہیں کہ سحنون نے ابن القاسم کے پاس پہنچکر

فعرضہا واصلح فیہا مسائل۔ [۵۷] — سحنون نے (اسد بن فرات) کے نسخہ کو ابن القاسم پر پیش کیا اور چند مسائل کو درست کیا۔

---

[۵۷] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۹۲

اسد جن کا علم دو آتشہ تھا (یعنی ابن القاسم اور امام محمد دونوں کے شاگرد تھے اور اس لئے فقہ مالکی وفقہ حنفی دونوں کے عالم تھے) ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس کتاب میں ان سے علمی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں، جن کی اصلاح سحنون نے ابن القاسم سے کرائی، ذرا مشکل ہے بظاہر قیاس میں یہ بات آتی ہے کہ اسد سوال ہی کی حد تک نہیں بلکہ جوابوں میں بھی حنفی خیالات سے متاثر تھے اور اسی تاثر نے ان کی کتاب کو قابلِ اصلاح بنا دیا تھا، اور یہ روایت تو قاضی عیاض وغیرہ کے حوالہ سے ابن خلکان نے نقل کی ہے۔ اس کے ساتھ مشہور نحوی متن کافیہ کے مصنف علامہ ابن حاجب المالکی کے بیان کے ایک حصہ کو بھی پیش نظر رکھ لیجئے، جو ابن خلکان ہی میں مدونہ کے متعلق منقول ہے۔ یعنی سحنون اس مصحح نسخہ اور ابن القاسم کے ایک مراسلہ کے ساتھ پھر اسد بن الفرات کے پاس مغرب لوٹے۔ ابن القاسم نے اسد کو لکھا تھا۔

بقابل نسختہ بنسختہ سحنون	تم کو چاہئے کہ اپنے نسخہ کا سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرلو،
فللذی تتفق علیہ النسختان یثبت	جن باتوں پر دونوں نسخے متفق ہو جائیں، ان کو باقی رکھا
والذی یقع فیہ الاختلاف	جائے اور جن باتوں میں اختلاف نظر آئے تو تم کو چاہئے
فالرجوع الی نسختہ سحنون	کہ سحنون کے نسخہ کی طرف رجوع کرو اور ابن الفرات
ویمحی عن نسختہ ابن الفرات	کے نسخہ سے وہ باتیں حذف کردی جائیں کیونکہ صحیح
فہذہ ہی الصحیحۃ۔	یہی نسخہ یعنی سحنون والا ہے۔

لیکن اسد نے ابن القاسم کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔ ابنِ حاجب نے جس سے یہ واقعہ سنا تھا اس نے عدم تعمیل کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اسد نے اسے اپنی توہین خیال کیا کہ شاگرد (سحنون) کی شاگردی قبول کریں، لیکن میں اسد جیسے عالم کے متعلق علمی تصحیح کی راہ میں ایسی چھوٹی ادنیٰ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں بلکہ اصل واقعہ وہی معلوم ہوتا ہے کہ "الاسدیہ" کے جوابات میں بھی حنفیت کی عناصر

شریک تھے، اوران ہی کو ابن القاسم نے خارج کرایا ہوگا، اسد ان کے نکالنے پر آمادہ نہ ہوئے، قاضی عیاض کے بیان میں جو یہ جز پایا جاتا ہے کہ سحنون نے علاوہ تصحیح کے کچھ ترتیب میں بھی ردوبدل کیا تھا، اوراس کے ساتھ

احتج لبعض مسائلها بالآثار من روايته من موطا ابن وهب وغيره | مدونہ کے بعض مسائل کی دلیل میں انھوں نے ابن وہب کے موطا وغیرہ کے ان آثار کو پیش کیا تھا جنھیں وہ روایت کرتے تھے۔

اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بظاہر جن مسائل میں اسد نے اپنے عراقی اساتذہ کی رائے کو ترجیح دی ہوگی ان کو خارج کرکے مالکی نقطۂ نظر کی آثار واحادیث سے تائید فراہم کی گئی ہوگی۔

افسوس ہے کہ اسد بیچارے زیادۃ اللہ بن الاغلب کے حکم سے یورپ کے مشہور جزیرہ سسلی کے جہاد میں چلے گئے اور سسلی کے جزیرہ سرقوسہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ ان کی اجل آگئی، اور آج تک اس یوروپین جزیرہ کے ایک شہر بلرم میں وہ مدفون ہیں، کاش اگر یہ جہادی مہم پیش نہ آجاتی تو اسد کی یہ کتاب جو میرے خیال کے حساب سے مالکی اور حنفی فقہ کی سنگم تھی، "اسلامی قانون" کے سلسلہ کی ایک عجیب کتاب ہوتی، فوج میں شریک ہوجانے کے بعد علم کی دنیا سے وہ الگ ہوگئے اور مغرب کا علمی میدان سحنون کے ہاتھ آگیا، سحنون اور ان کے ماننے والوں نے "الاسدیہ" کو بہت بدنام کیا، حتی کہ لوگوں نے یہ بھی مشہور کردیا کہ اسد نے ابن القاسم کے حکم کی جو تعمیل نہیں کی تھی اس کی خبر جب ابن القاسم کو ملی تو انھوں نے بددعا کی مگر میرے خیال میں "الاسدیہ" کے متعلق ابن خلکان نے جو یہ لکھا ہے کہ

فهجره الناس لذلك وهو الان مهجور۔ | اس لئے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور آج تک وہ اسی طرح متروک ہے۔

اس کی بڑی وجہ وہی تھی کہ اس میں مالکی اساتذہ کی رایوں کے ساتھ ابن الفرات نے اپنے عراقی استادوں کی چیزیں بھی درج کی تھیں اور اسی چیز نے اس کو مغرب میں مقبول ہونے نہ دیا۔

تاہم کچھ بھی ہو مصر میں ابن الفرات سے پہلے حنفیت اگر پہنچی تھی تو قاضیوں کے ذریعہ سے لیکن علماء کے حلقوں میں امام ابوحنیفہؒ کے مکتب خیال کے علمی نقاط نظر اور کتابوں کے پہنچانے کا کام سچ پوچھئے، تو اسد بن الفراتؒ ہی نے انجام دیا۔ ابتداً مجھے جو کچھ کہنا ہے، چونکہ اسد کے اس کام کو بھی اس میں دخل ہے اس لئے ان کے اوران کی کتاب کے متعلق مجھے ذرا تفصیل سے کام لینا پڑا، گویا علمی حیثیت سے مصر میں حنفی فقہ کا داخلہ پہلی دفعہ، اسد کے واسطہ سے ہوا، اور اب اس ملک کی حالت فقہی مکاتب خیال کے لحاظ سے یہ ہوگئی، کہ امام مالک کے شاگردوں کا تو مصر پر ابتدا ہی سے قبضہ تھا، مالکیوں کے بعد امام شافعیؒ اور ان کے تلامذہ کا دور آیا، اسی زمانہ میں اسد بن الفرات نے حنفیت کو بھی علمی رنگ میں مصر اور مصر کے علماء سے روشناس کرادیا۔

مصر میں شافعیت کا زور مصر اسی حال میں تھا کہ دوسری صدی کے اختتام پر یکایک کل دس پندرہ سال کے عرصہ میں امام مالک کے جتنے بڑے بڑے شاگرد تھے یکے بعد دیگرے تھوڑے وقفہ کے ساتھ دنیا سے اٹھتے چلے گئے، سب سے پہلے ابن القاسم[1] المتوفی ۱۹۱ھ، ان کے بعد ابن وہب[2] المتوفی ۱۹۷ھ ان کے بعد اشہب[3] المتوفی ۲۰۴ھ، ان کے بعد عبداللہ بن الحکم[4] المتوفی ۲۱۴ھ گویا مصر میں جن ستونوں پر امام مالک کے علم کا ایوان قائم تھا، چند ہی سالوں میں ایک ایک کرکے گر گیا، اور اتفاق دیکھئے کہ ان ہی چند سالوں کے اندر حضرت امام شافعیؒ بھی رحلت فرما گئے، ان کی وفات ۲۰۴ھ میں اسی سال ہوئی جس سال اشہب کا انتقال ہوا، اور یہی وہ اتفاق تھا جس نے مصر میں امام مالکؒ کے شاگردوں کی جگہ

---

[1] ابن القاسم کا ذکر متعدد بار آچکا، سحنون مغرب میں اور اصبغ مصر میں ان ہی کے مالکی خلفاء تھے۔ [2] ابن وہب کی حیثیت فقہ مالکی میں وہی ہے جو حنفی میں قاضی ابویوسف کی ہے، امام مالکؒ کے اجلہ اصحاب میں تھے "الفقیہ" کا لفظ امام مالکؒ ان کے سوا کسی کو نہیں کہتے تھے، فقہ کے ساتھ حدیث کے بھی امام تھے۔ ایک لاکھ حدیثیں روایت کیں، قیامت کے مصائب پر ایک کتاب لکھی تھی، یہی کتاب ان کے سامنے پڑھی جارہی تھی، چیخ کر بیہوش ہوگئے، پھر وفات تک کچھ نہ بولے۔

[3] اشہب کا حال گذر چکا۔ [4] عبداللہ مصر میں امام مالک کے آخری شاگرد تھے۔

امام شافعیؒ کے تلامذہ کے لئے میدان خالی کر دیا۔ خصوصاً امام شافعیؒ کے جن شاگردوں کا میں پہلے تذکرہ کر آیا ہوں، یعنی البویطی، ابن ربیع المؤذن، المزنی، حرملہ، اب مصر میں ان بزرگوں کا طوطی بولنے لگا، اور مالکیت کے مقابلہ میں شافعیت کا جھنڈا زیادہ بلندی پر اڑنے لگا، جس کے مختلف اسباب تھے، سب سے بڑی وجہ تو ان بزرگوں کی ذاتی خصوصیتیں تھیں، میرے لئے یہ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے، لیکن البویطی کی داستان ثبات و استقلال سے تاریخیں معمور ہیں، خلق قرآن کے مسئلہ میں ان پر کیا کیا مظالم نہیں توڑے گئے، پابزنجیر مصر سے عراق لائے گئے اور قید خانہ میں وفات پائی، ہر جمعہ کو نہا دھو کر جیل کے دروازہ پر آتے، جیلر پوچھتا کہاں چلے، فرماتے "نودی للصلوٰۃ" کا حکم ہوا ہے وہ واپس کر دیتا، آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے۔

اللھم انک تعلم انی قد اجبت داعیک فمنعونی۔ [۵۱] پروردگار تو جانتا ہے کہ تیرے پکارنے والے کی آواز کو قبول کر کے چل پڑا، لیکن یہ لوگ اب مجھے روکتے ہیں۔

یہی حال امام شافعی کے دوسرے شاگرد ابن ربیع کا تھا، باوجود اس علمی جلالت قدر کے ساری عمر جامع فسطاط کی موذنی میں گذار دی اور اس لئے المؤذن کے نام سے ابتک مشہور ہیں، اور امام مزنی تو مزنی ہی تھے، علم کا حال یہ ہے کہ ابن سریج جن کا ذکر گذر چکا ان کی کتاب "مختصر" کے متعلق فرماتے تھے۔

یخرج مختصر المزنی من الدنیا عذراء لم یفتض۔ [۵۲] المزنی کی مختصر دنیا سے کنواری ہی چلے جائے گی جس کی دوشیزگی کا ازالہ کسی سے نہ ہو سکا۔

تقوی کا یہ حال تھا کہ گرمیوں میں بھی تانبے کے پیالہ میں پانی پیا کرتے تھے، مٹی کے آبخوروں سے پرہیز تھا، جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا

بلغنی انھم یستعملون السرجین مجھے معلوم ہوا کہ کمہار کوزوں کے بنانے میں اُپلے استعمال

---

[۵۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۴۷۔ [۵۲] ابن خلکان ج ۱ ص ۷۱۔

فی الکیزان والنار لا تطہرھا [1] کرتے ہیں اور آگ ان کو پاک نہیں کرتی۔

ادھر تو امام شافعیؒ کے شاگردوں کا یہ حال تھا اور دوسری طرف امام مالک کے تلامذہ کی وفات پھر ان مالکی ائمہ نے اپنے بعد مصر میں اولاً اپنی جیسی ہستیاں نہیں چھوڑیں، ایک دو تھے بھی تو مصر والوں پر ان کا مختلف وجوہ سے چنداں اثر نہ تھا، ان میں سب سے ممتاز اصبغ ہیں جن میں واقعہ یہ ہے کہ ابن وہب اور ابن القاسم امام مالک کے ان دونوں شاگردوں نے اپنا سارا علمی سرمایہ منتقل کردیا تھا اور اسی لئے مالکیوں میں ان کا علمی مقام بہت بلند ہے لیکن ایک تو بیچارے کا تعلق شاید کسی ادنیٰ خاندان سے تھا، مصر کے والی نے ایک دفعہ شہر کے معززین کو اس لئے جمع کیا کہ کسی کو قاضی منتخب کریں، بعضوں نے اصبغ کا نام لیا حالانکہ مجلس میں اصبغ بھی موجود تھے لیکن ایک مصری امیر نے آگے بڑھکر عرض کیا کہ۔

اصلح اللہ الامیر ما بال ابناء الصباغین والمقاصرین کرون فی المواضع اللتی لم یجعل اللہ عزوجل لھا اھلا [2] اللہ امیر کو نیکی عطا کرے رنگریزوں اور دھوبیوں کی اولاد کو کیا ہوگیا ہے کہ ان کا ذکر ایسے مقامات میں کیا جاتا ہے جن کے لئے خدا نے ان کو اہل نہیں بنایا ہے۔

اصبغ گو یہ سنکر آپے سے باہر ہوگئے اور کہنے والے سے لڑ پڑے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصریوں پر ان کی شخصیت کا کیا اثر تھا اور یوں بھی مورخین لکھتے ہیں کہ

کان اصبغ خبیث اللسان لا یسلم علیہ احد انما کان لسانہ صاعقۃ [3] اصبغ زبان کے بڑے سخت تھے ان کی زبان سے کوئی نہ بچ سکا زبان کیا تھی بجلی کا کڑکا تھا۔

بھلا جس کے خاندان کے متعلق لوگوں کا وہ خیال ہو اور پھر زبان بھی جن کی ایسی سخت ہو، پبلک پر ایسوں کا کیا اثر قائم ہوسکتا ہے اور وہ بھی امام شافعی کے ان پاک طینت قدوسی صفات تلامذہ کے مقابلہ میں نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں مالکیوں کا جتنا زور تھا، جہاں تک میرا اندازہ ہے اسی قدر ان اتفاقی واقعات کی بدولت

---

[1] ابن خلکان ج ص ۱۷۔ [2] الکندی ص ۴۴۴۔ [3] حاشیہ الکندی۔

ان کا اثر کم ہوگیا، قاضی ابن ابی اللیث کے دربار کے شاعر حسین الجمل سے اگر اس معتزلی قاضی کو خطاب کرکے کہا تھا۔

والما لکیۃ بعد ذکر شائع   اخملتھا فکانھا لم تذکر

مالکیہ کو اتنی عظیم شہرت اور مقبولیت کے بعد آپ نے ایسا گمنام کیا کہ گویا اب وہ قابلِ ذکر بھی نہ رہے۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں، اس میں مالکیت پر یہ سانحہ مصر میں گذر رہا تھا، اگرچہ اس کی وجہ الجمل نے کچھ ہی بیان کی ہو مگر میرا تو خیال یہی ہے کہ گذشتہ بالا قدرتی واقعات ہی کا یہ نتیجہ تھا، اور اب مصر تھا، وہاں کے مسلمان تھے اور امام شافعی کے یہی فقید المثال، عدیم النظیر صاحبانِ علم وفضل، تقویٰ و دیانت والے تلامذہ تھے، کچھ دن کے لئے محمد بن ابی اللیث المعتزلی کی خباثتوں کی وجہ سے ان بزرگوں کو اس ملک میں شدید آزمائشوں پر خصوصاً مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے مبتلا ہونا پڑا جس کی طرف البویطی کے حالات میں کچھ اشارہ بھی کیا گیا ہے لیکن یہ آزمائشیں بھی۔

"قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے" بن کر رہیں

خصوصاً چند ہی دنوں کے بعد دیکھا گیا کہ المتوکل باللہ کے حکم سے یہی معتزلی مصر کے بازاروں میں گدھے پر سوار کرکے اس طرح پھرایا جا رہا ہے کہ اس کے سر بلکہ ڈاڑھی کے بال بھی مونڈ دئے گئے ہیں اور پیٹھ پر مسلسل کوڑے لگائے جا رہے ہیں، آستین کے لہو کی اس پکار نے مصر میں سنسنی پیدا کردی اور عوام کی ان بزرگوں سے عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی، گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ اب مصر صرف شافعیوں ہی کا ہوگیا، جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا، البویطی تو درس وتدریس میں مشغول تھے اور ربیع المؤذن کے سپرد امام شافعیؒ نے اپنی تصنیفات کی اشاعت کا کام کیا تھا، وہ اس میں مستغرق تھے، عوام وخواص میں جو سب سے زیادہ نمایاں اور امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ سربرآوردہ تھے وہ امام المزنی

---

[1] الکندی ص ۴۵۲۔

تھے، حتیٰ کہ آج بھی اہلِ علم کے گروہ میں شافعی اور شافعیت کے ذکر کے ساتھ لوگوں کا دماغ المزنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ حال تو اس ملک میں مالکیت و شافعیت کا تھا، رہی حنفیت تو جیسا کہ میں عرض کرتا چلا آ رہا ہوں، اب تک مصر میں زیادہ تر احناف حکومت و قضا ہی کی راہوں سے آئے، صرف اسد بن الفرات نے ان کے علوم کو علم کے رنگ میں مصر و مغرب میں پہنچایا تھا، اور جہاں تک میرا خیال ہے اسد کی وجہ سے مصریوں کی پرانی بدگمانی کہ "حنفیت میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کید اور داؤ پیچ کھیلا جاتا ہے" اس میں بہت کچھ کمی ہوگئی تھی، اس طبقہ کے علمار کی کتابیں ملک میں پھیل چکی تھیں اور اہلِ علم کے مطالعہ میں رہتی تھیں، کاش کم از کم یہی حال باقی رہتا، لیکن "بدنام کنندہ نیکونامے چند" یہی معتزلی جو قاضی ہونے سے پہلے مصر میں فرقہ معتزلہ کا رکن رکین تھا اور علانیہ اپنے ان ہی معتزلی دوستوں کے ساتھ وہ اس حال میں پایا جاتا تھا کہ

معہ نفر من اخوانہ المعتزلۃ فاکل و شرب النبیذ فکان اجودنا شربا [1]

وہ اپنے معتزلی احباب کے ساتھ ہوتا کھاتا اور نبیذ پیتا اور اتنا پیتا کہ پینے میں سب سے آگے نکل جاتا۔

اور قاضی ہونے کے بعد تو "النبیذ" کے لفظ کا پردہ بھی اس نے ہٹا دیا فسق میں اتنا دلیر ہو گیا کہ :-

یشرب "جلاباً"[ع] فی المسجد الجامع فی مجلس حکمہ [۵۲]

"جلاب" (نامی شراب) جامع مسجد میں قضار کے اجلاس میں پیتا۔

اس کے سوا اس نے الواثق باللہ کی پشت پناہی میں مسئلہ "خلق القرآن" کی آڑ لیکر جو مظالم مصر کے مالکی اور شافعی فقہار پر توڑے اس کے سننے سے تو آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یونس ابن عبدالاعلیٰ جیسے محدث جلیل کو برسوں جیل کی سزا بھگتنی پڑی[۵۳]۔ مشہور مصری صوفی بزرگ

---

[1] الکندی ص ۲۳۷ - [۵۲] الکندی ص ۲۳۷ - [ع] نہایہ ابن اثیر اور قاموس دونوں میں جلاب کے معنی عرق گلاب لکھے ہیں، معلوم نہیں لائق مقالہ نگار نے جلاب کو از قسم شراب کیونکر بنا دیا۔ [۵۳] صفحہ آئندہ ۳۸ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت ذوالنون نے بھی اس کے ہاتھوں انتہائی مصائب جھیلے، البویطی کا حال تو گذر ہی چکا، جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے ان کے واقعات میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔

خیر یہ واقعات تو اس زمانہ میں گذر ہی رہے تھے لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ یہ ظالم معتزلی عقیدۃً تو معتزلی تھا، لیکن جیسے زمخشری کے متعلق مشہور ہے کہ اعتقاداً معتزلی ہونے کے باوجود فروعاً حنفی تھا، بدقسمتی سے یہی حال اس ظالم وفاسق بدعقیدہ قاضی ابن ابی اللیث کا تھا، اس کے درباری شاعر الجمل نے جو مشہور قصیدہ اس کی تعریف میں لکھا ہے جس کا ایک شعر پہلے بھی نقل کر چکا ہوں اس میں ایک دوسرا شعر یہ بھی ہے۔

نحمیت قول ابی حنیفۃ تابع[1] — ومحمد والیوسفی الا ذکر

وزفر القیاس اخی الحجاج الانظر

صرف یہی نہیں خود حنفی مورخین مثلاً عبدالقادر مصری صاحب جواہر مضیہ نے بھی

کان فقیھا بمذھب الکوفیین[2] — ابن ابی اللیث کوفیوں کے طریق کا فقیہ تھا۔

کی تصریح کی ہے، غالباً جامع مسجد میں علانیہ برسر اجلاس اس کی "شراب خواری" حنفی مذہب کے مسئلہ "نبیذ" کی ممسوخ شکل تھی، ظاہر ہے کہ ابن ابی اللیث کے ان حالات نے مصر میں حنفیت اور حنفی فقہ، حنفی ائمہ کے وقار کو جو صدمہ پہنچایا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا، بیچارے اسد بن الفرات کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا، شافعیوں کا حنفیت کی طرف سے یونہی دل کب صاف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) متوکل کے زمانہ میں جب ابن ابی اللیث کے اور بلاکشوں کے ساتھ یونس کو بھی جیل سے رہا کیا گیا اور پوچھا گیا کہ یہ کیسا شخص ہے، بولے (ما علمت فیہ الا خیراً) کہا گیا کہ اتنے دن تک آپ کو اس نے جیل میں سڑایا تو فرمایا ام یظلمنی ھو و لکن ظلمنی من شھد علی من عنی واصلح کی کیسی عجب شان ہے۔ دیکھو الکندی ص ۴۵۵۔

[1] یعنی امام ابوحنیفہؒ جو تابعی تھے ان کی تو نے تائید کی اور امام محمدؒ کی اور یوسفی اقوال جو عام طور پر مشہور ہیں اور زفر کے اقوال کی جو بڑے قیاس کرنے والے اور صاحب نظر واحتجاج تھے۔ ۱۲ [2] ج ۲ ص ۳۹۔

تھا، اور اس واقعۂ ہائلہ نے تو امام شافعیؒ کے شاگردوں کے دلوں میں نفرت بلکہ عداوت کے جذبات تک بھڑکا دیئے تھے۔

کہا جاتا ہے ایک دن یہی شرابی قاضی اجلاس پر جب آیا تو منہ پر رومال ڈالے ہوئے تھا لوگوں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ رات مجلسِ نشاط میں بدمست ہو کر مسلمانوں کا یہ قاضی اربابِ محفل سے اُلجھ پڑا، اور کسی دوسرے مست نے قاضی کی خوب خبر لی، اتنا مارا کہ چہرہ سوج گیا، اسی کو رومال سے چھپائے ہے، الکندی نے لکھا ہے کہ

فتواتر بخبرانہ عربد علی شیخ کان	یہ خبر متواتر طور پر مشہور ہوئی کہ کسی شیخ سے جو اس کا شراب خواری
ینادمہ فشجہ ذالک الشیخ ؎۱	میں ہم محفل تھا جھگڑا شیخ نے اس کو زخمی کیا۔

مصریوں کے دل میں اس شخص کی جانب سے کتنی نفرت پیدا ہو گئی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب متوکل نے اس کو قضارت سے برطرف کیا تو

وثب اھل مصر علی مجلس ابن	مصر والے ابن ابی اللیث کی مجلس (نشستگاہ) پر ٹوٹ
ابی اللیث فرموا بحصرہ وغسلوا	پڑے اور اس کی چٹائیوں کو باہر نکال کر پھینک دیا اور جہاں
موضعہ بالماء ؎۲	یہ چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اس جگہ کو پانی سے لوگوں نے دھویا

بھلا جس بدباطن، شریر فطرت انسان نے برسر دربار جامع مسجد میں اہل السنت کے علماء سے ان کی ٹوپیاں اپنے غلام سے اتروائی ہوں اور کیسی ٹوپیاں جو اس زمانہ میں بقول کندی

کان زی اھل مصر وجمال	اہل مصر کے لباس میں وہ ٹوپی داخل تھی، مصر کے شیوخ کا
شیوخھم واھل الفقہ والعدالۃ	جمال ان ہی لمبی ٹوپیوں سے تھا، ان کے اربابِ
منھم لباس القلانس الطوال ؎۳	عدل و کردار وہی پہنتے تھے۔

؎۱ الکندی ص ۴۶۷۔ ؎۲ الکندی ص ۲۳۵ ؎۳ ” ص ۴۶۰۔

گویا ان کی عزت کا وہ نشان تھی، الکندی نے لکھا ہے ابن ابی اللیث کے غلام مطر اور عبدالغنی دونوں نے

ضربا رؤس الشیوخ حتی القوا — مصر کے الشیوخ کے سروں پر ضرب لگائی حتی کہ ان کی

قلانسھم۔ — ٹوپیوں کو سر سے اتار کر پھینکدیں۔

اور ان مقدس "قلانس" کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے۔

رئمت قلانس الشیوخ یومئذ فی ایدی — الشیوخ کی ان ٹوپیوں کو دیکھا گیا کہ ان دنوں لڑکے

الصبیان والرعاع یلعبون بھا۔ — اور عام بازاری لوگ ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

جہانتک میرا خیال ہے، جن علماء کی یہ توہین کی گئی تھی ان میں مصر کے سب سے بڑے ہر دل عزیز امام المزنی بھی تھے، کیونکہ الکندی ہی نے یحیی بن عثمان کے حوالے سے جو یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

لما عزل ابن ابی اللیث ترک کثیر — جب ابن ابی اللیث معزول ہوا تو بہت سے شیوخ

من الشیوخ لباس القلانس — نے ان ٹوپیوں کا پہننا ترک کر دیا جن میں ابو ابراہیم

منھم ابو ابراھیم المزنی۔ — مزنی بھی تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن "القلانس الطوال" کی یہ توہین ہو چکی تھی ان کو جن لوگوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا تھا، ان میں المزنی بھی تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جس لباس کی اتنی بے عزتی ہو چکی تھی کوئی باغیرت آدمی اس کا پہننا کیسے اختیار کر سکتا تھا۔ گویا ابن ابی اللیث کے ظلم کی ایک تاریخی یادگار تھی جس کو علماء نے اس کے معزول ہونے کے بعد بھی باقی رکھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دور مصر پر آیا اور گذر گیا۔ لیکن اس ظالم قاضی کا انتساب جو حنفی فقہ کی طرف

ــــہ کہتے ہیں کہ ابن ابی اللیث کے عہد ولایت میں مصر میں شدید قحط پڑا، سارا شہر جس میں قاضی بھی تھا استسقا اور نیل کے افاضہ کے لئے باہر نکل گئے۔ ننگے سر ہو کر سب دعا مانگ رہے تھے، قاضی نے بھی اپنی ٹوپی اتار کر سامنے رکھی، کسی منچلے نے ٹوپی اُچک لی۔ اور ایک نے دوسرے پر پھینکی اور لوگوں نے خود اس کے سامنے اس کی ٹوپی سے گیند کی طرح کھیل کر دل کی بھڑاس نکالی۔ الکندی۔

تھا، اس نے مصریوں کے عوام وخواص کے دل میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کی جماعت، ان کے مکتب خیال کی جانب سے شدید قسم کی نفرت وعداوت کا تخم بودیا اور آئندہ یہی واقعہ آنے والے واقعات کی بنیاد بن گیا۔

قاضی بکار بن قتیبہ ہوا یہ کہ ابن ابی اللیث کی معزولی کے بعد خلیفہ متوکل کی طرف سے چند دنوں کے لئے تو مصر کے قاضی حارث بن مسکین رہے، لیکن حارث کے بعد زمانہ نے پھر ایک کروٹ لی اور مصر کے مذہبی ماحول میں ایک نئی ہل چل کا آغاز ہوا، میری مراد مشہور حنفی قاضی بکار بن قتیبہ سے ہے۔ حارث بن مسکین کے بعد ۲۴۶ھ میں خلیفہ متوکل نے مصر کی ولایتِ قضا پر آپ ہی کا تقرر کیا۔ قاضی بکار چونکہ صرف قاضی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ علاوہ اپنے غیر معمولی تقویٰ ودیانت کے جس کی وجہ سے عموماً مورخین (من التالین لکتاب اللہ والباکین[1]) کے شاندار الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں، زبان اور قلم دونوں کے مالک تھے، ان کے تعلیمی وتدریسی ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آخر میں احمد بن طولون حاکم مصر نے جب ان کو جیل بھیجدیا تو طلبہ علم کے شدید ہنگامے سے مجبور ہوکر ابن طولون نے قیدخانہ کے ایک ہال میں ان کی تدریس کا انتظام کردیا اور وہیں بیٹھکر یہ درس حدیث وفقہ ایک مدت تک دیتے رہے ان کا اصلی وطن بصرہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تھے، قاضی ابویوسف اور امام زفر بن الہذیل مشہور حنفی ائمہ کے شاگرد رشید ہلال الرای جن کی کتاب الوقف حال میں مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے، بکار کی تعلیمی زندگی کا زیادہ زمانہ انھیں کے حلقۂ درس میں گذرا تھا، جو اپنے وقت میں فقہ حنفی کا بصرہ میں سب سے بڑا اور مستند ترین علمی حلقہ تھا اور اسی لئے ان پر حنفیت غالب تھی بلکہ کہنا چاہئے کہ حنفیت میں غلو کی حد تک پہنچے ہوئے تھے، حالانکہ علاوہ ہلال الرای کے انھوں نے مشہور محدث ابوداؤد الطیالسی اور

---

[1] اللہ کی کتاب پڑھنے والوں اور رونے والوں میں تھے۔ ۱۲

یزید ابن ہارون جو بخاری کے راویوں میں ہیں ان سے بھی حدیث کی تعلیم پائی تھی، لیکن اصلی رنگ اُن کا وہی تھا جو ہلال الرای کی صحبت میں چڑھا تھا۔ یہ جس زمانہ میں مصر پہنچے ہیں اس وقت ملک میں حنفیت کے خلاف ابن ابی اللیث کی حرکتوں کی وجہ سے سخت ہیجان برپا تھا، ابن ابی اللیث کے بعد قاضی حارث بھی فقہ احناف کے ہمدردوں میں نہ تھے اگرچہ شوافع سے بھی ان کا دل صاف نہ تھا، الکندی نے لکھا ہے۔

امر الحارث باخراج اصحاب ابی حنیفۃ من المسجد واصحاب الشافعی [۱] — حارث نے امام ابو حنیفہؒ کے لوگوں کو مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا اور امام شافعی کے لوگوں کو بھی۔

مصر میں یوں ہی حنفیوں کی تعداد کیا کم تھی، لیکن گذشتہ بالا وجوہ واسباب سے تھوڑی بہت جو ان کی جماعت تھی، ان کے ساتھ حارث نے یہ سلوک کیا تھا، اور یہ تو خیر حارث کا ذاتی فعل تھا لیکن ابن ابی اللیث کی وجہ سے تو تقریباً ملک کا اکثر حصہ عوام کا ہو یا خواص کا حنفیت کے مخالف جذبات سے بھرا ہوا تھا۔

حنفی فقہ اور حنفی مجتہدات پر سخت تنقیدیں مصری علماء کا ایک طبقہ کر رہا تھا اور ان کے سرخیل مصر کے سب سے بڑے شافعی امام المزنی تھے، علاوہ اس عام رقابت کے جو عموماً احناف اور شوافع میں تھی۔ مزنی کی اس مخالفت میں ابن ابی اللیث کے اس طرزِ عمل کو بھی دخل تھا جس کا تماشہ بلکہ تجربہ علماً و عملاً مصر والوں کو ابھی چند دن پہلے ہوا تھا، قاضی بکار جس وقت یہاں قاضی ہوئے تو اس ملک کو انھوں نے اسی حال میں پایا، خصوصاً ان کی نظر جب المزنی کی کتاب "المختصر" پر پڑی تو جیسا کہ مصر کے مشہور قدیم مورخ ابن زولاق [۱] کا بیان ہے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ مختصر میں امام ابو حنیفہ

---

[۱] الکندی کی تاریخ الولاۃ والقضاۃ کا تکملہ ابن زولاق ہی نے کیا ہے اور قاضی بکار ہی کے ترجمہ سے ان کا تکملہ شروع ہوتا ہے۔

کی تردید کی گئی ہے ۵۱ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ پر رد کوئی نئی بات نہیں تھی، کیونکہ اس زمانہ میں علما خصوصاً محدثین کا ایک طبقہ تھا جو امام اور ان کے نظریات پر مختلف علاقوں میں تحریراً تنقیدیں کر چکا تھا، اسی زمانہ میں ابن ابی شیبہ نے اپنے "مصنف" میں "کتاب الرد علی ابی حنیفہؒ" کے نام سے ایک مستقل جزر کا اضافہ کیا تھا مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ بیچارے سیدھے سادھے کسی محدث کی تنقید نہ تھی بلکہ اس شخص کی تھی جس کے متعلق امام شافعی یہ پیش گوئی کر کے مرے تھے کہ

لتذکرن زمانا تکون فیہ اقیس اھل زمانک ۵۲
اس زمانہ کو یاد کرو گے جب تم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے قیاس کرنے والے ہوگے۔

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ ابو ابراہیم المزنی صرف محدث نہیں تھے بلکہ ان کی قیاسی قوت، اور استدلالی سلیقہ حنفیوں سے کچھ کم نہ تھا، آخر کوئی بات ہی تھی جب امام شافعیؒ نے علاوہ مذکورہ بالا فقرہ کے ان کی اصابتِ فکر کا اندازہ کرتے ہوئے ایک دفعہ یہ جملہ فرمایا تھا کہ

سیاتی علیہ زمان لا یفسر شیئا فیخطئہ ۵۳
ایک دن اس پر ایسا آئے گا کہ کوئی بات ایسی بیان نہ کرے گا جس میں غلطی کی ہو۔

اور کتاب بھی ان کی وہ جو صرف ان کی تصنیفوں ہی میں نہیں بلکہ علمار شافعیہ کے لٹریچر کے شہکاروں میں تھی ۵۴ امام شافعیؒ کے جو اعتراضات حنفی نقاط نظر پر تھے ان کی تعبیر اپنی خاص قابلیت سے جو المزنی نے کی تھی وہ معمولی نہیں تھی۔ کہیں اس سے پیشتر ابن سریج الامام کا جملہ اسی "مختصر" کے متعلق نقل کر چکا ہوں۔

---

۵۱ الجواہر المضیہ بحوالہ ابن زولاق ج ا ص ۱۶۹۔ ۵۲ ابن خلکان ج ص ۱۸۴۔ ۵۳ ایضاً

۵۴ یہاں ایک خاص اصطلاح کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، قدمار خصوصاً جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ استاد اپنے خیالات کا املا کراتا تھا پھر ہر شاگرد اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق استاد کے ان خیالات کی پرورش کرتا تھا اور عبارتوں کو بنا تا کاٹتا تھا، یوں یہ کتابیں استاد اور شاگرد دونوں کی طرف منسوب ہو جاتی تھیں، امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں اسی اصول کے تحت مرتب کی ہیں، لوگ امام محمد کی کتابوں کو کتب ابی حنیفہ کہتے ہیں اور کتب محمد بھی، اسی طرح مزنی، بویطی ربیع الموذن سب کے مختصرات ان بزرگوں کی طرف بھی منسوب ہیں اور امام شافعیؒ کی طرف بھی ۱۲

جس میں انھوں نے اس کو (لم یفتض) کنواریوں میں شمار کیا ہے، قاضی بکار پر مختصر کی ان تیز و رسا تنقیدات کا جو اثر مرتب ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ کتاب کے دیکھنے کے ساتھ بے چین ہو گئے۔ قاضی مصر ہونے کی حیثیت سے جو مطلق العنانہ اختیارات ان کو حاصل تھے اپنے پیش رووں خصوصاً ابن ابی اللیث کے مانند اگر چاہتے تو وہ بھی وہی راہ اختیار کر سکتے تھے جو ابن ابی اللیث نے اپنے مخالفین کے مقابلہ میں اختیار کی تھی کہ کسی کے متعلق معمولی بھنک اگر اس کے کان میں پڑ جاتی تھی کہ عقیدہ میں ہمارا مخالف ہے تو آپے سے باہر ہو جاتا تھا، الکندی نے لکھا ہے کہ بیچارے ہارون بن سعید الایلی کے متعلق ابن ابی اللیث کو کسی نے خبر پہنچائی کہ کہ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں تم سے ان کو اتفاق نہیں ہے، یہ سنتا تھا کہ مطر غلام کو اس فرعونی دماغ کے قاضی نے اشارہ کیا، نصر بن مرزوق کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ہارون بازار میں جا رہے ہیں اور

طیلسانہ تحت عضدہ وعمامتہ ان کی طیلسان تو بغل میں ہے اور عمامہ ان کی گردن میں

فی رقبتہ ومطر غلام ابن ابی اللیث اور ابن ابی اللیث کا غلام مطر ان کو عمامہ کے ساتھ

یسوقہ بعمامتہ (الکندی ص ۴۵۲) پکڑے لئے جا رہا ہے۔

مگر یہ ایک معتزلی حنفی قاضی کا تجربہ تھا، اسی لئے مقابلہ میں ایک سُنّی حنفی قاضی بکار بن قتیبہ کو بھی دیکھئے، امام مزنی کی کتاب میں وہ اپنے واجب الاحترام امام اور ان کے تلامذہ کو اعتراضوں اور سخت تنقیدوں سے چھلنی پاتے ہیں مگر کیا کرتے ہیں، شاید مخالف کے ساتھ مخالفت کی تاریخ میں غالباً بے نظیر واقعہ ہے کہ دیانتاً وہ محسوس فرماتے ہیں کہ المزنی نے امام شافعی کے حوالہ سے اس میں اعتراضات نقل کئے ہیں اور واقعہ کے اعتبار سے ان کو معلوم تھا کہ یہ اعتراضات امام شافعی ہی کے ہیں مگر یہ بات کہ اس کا شرعی ثبوت کیا ہے دینی ذمہ داریوں کے احساس کی نزاکت کی یہ آخری حد ہے کہ اپنے دو معتبر آدمیوں کو جن میں شہادت صادقہ کے ضروری صفات پائے جاتے تھے ان کو حکم دیتے ہیں۔

اذھبا واسمعا ھذا الکتاب من ابی ابراھیم المزنی تم دونوں جاؤ اور خود براہ راست ابو ابراہیم مزنی سے اس کتاب کو سُن کر آؤ۔

اور صرف یہی نہیں کہ بس سُنکر چلے آو بلکہ ابن زولاق نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ قاضی بکار نے فرمایا کہ جب پوری کتاب المزنی سے براہِ راست سن لو۔

فاذا فرغ منہ فقولا لہ انت سمعت — جب کتاب سے وہ فارغ ہوجائیں تب ان سے دریافت کرنا کہ

الشافعی یقول ذلک۔ — کیا آپ ہی نے امام شافعیؒ سے سُنا ہے کہ وہ یہ باتیں فرماتے تھے

قاضی بکار نے حکم دیا کہ جب وہ اس سوال کا جواب اثبات میں دے چکیں تب میرے پاس تم دونوں آؤ اور باضابطہ طور پر (فاشھدا علیہ) ان پر گواہی دو۔ دونوں گواہ المزنی کے پاس پہنچے۔

وسمعا من ابی ابراھیم المختصر سئلاہ انت — دونوں نے ابو ابراہیم سے مختصر سُنی اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ ہی

سمعت الشافعی یقول ذالک فقال نعم — نے امام شافعی سے یہ باتیں سنی ہیں مزنی نے کہا ہاں،

پھر ٹھیک جن الفاظ میں گواہ عدالتوں میں اپنا اظہار دیتے ہیں ان ہی الفاظ میں قاضی صاحب کے سامنے ان لوگوں نے

شھدا علی المزنی انہ سمع الشافعی یقول ذالک — دونوں نے گواہی دی المزنی پر کہ امام شافعی سے انھوں نے یہ باتیں سنی ہیں

جب شہادت کی یہ ساری کارروائی مکمل ہوگئی تب اس وقت "قاضی بکار" نے کیا کیا؟ کیا ابن ابی اللیث المعتزلی کی طرح اپنے غلام کو آواز دی کہ المزنی کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ دنیا حیرت سے سنے گی، کہ شہادت کی یہ ساری کارروائی اس حنفی سنی قاضی نے محض اس لئے کی کہ آئندہ ان کا جو ارادہ تھا اس کی تکمیل میں شرعی ذمہ داریوں سے اپنے کو بری کرلیں، جو الفاظ اس کارروائی کے بعد قاضی بکار کی زبان پر جاری ہوئے، ابن زولاق کی روایت ان کے متعلق یہ ہے کہ قاضی نے فرمایا۔

الآن استقام لنا ان نقول "قال الشافعیؒ" — اب میرے لئے یہ درست ہوگا کہ میں کہوں امام شافعی نے یہ کہا ہے۔

گویا یہ سارا ساز و سامان اور یہ ساری تیاریاں صرف اس ایک حرف کی تصحیح کے لئے تھی یعنی شرعاً "قال الشافعی" کہنے کے وہ مجاز ہوجائیں، قضار کے عہدے سے ایک ابن ابی اللیث المعتزلی نے بھی نفع اٹھایا تھا اور اسی سے قاضی بکار بھی استفادہ کرتے ہیں لیکن ایک دین کی تمام ذمہ داریوں کے توڑنے میں اور

دوسرا انہی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے ہیں۔

بہر حال اس کے بعد ان مناظرانی یا تحقیقاتی سلسلہ کی تصنیفوں کی بنیاد پڑ گئی جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ ان کا سلسلہ پھر صدیوں تک جاری رہا، ابن زولاق کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا اعلان کے بعد قاضی بکار نے

ردعلی الشافعی ھذا الکتاب امام شافعی کی اس کتاب کی تردید کی۔

جہانتک میرا علم ہے قاضی بکار کی یہ کتاب شاید اب دنیا میں موجود نہیں یا کسی کتب خانہ میں ہو، مجھے معلوم نہیں، البتہ عبدالقادر المصری صاحب طبقات نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی بکار نے،

صنف کتابا جلیلا نقض فیہ علی الشافعی ایک جلیل و سترگ کتاب قاضی بکار نے تصنیف کی جس میں انھوں نے امام شافعیؒ

ردہ علی ابی حنیفہ (طبقات ص ۱۶۹) کے ان اقوال کی تنقید کی جن میں امام ابوحنیفہؒ کی تردید کی گئی تھی۔

بہر حال جیسا کہ علماء کی شان ہونی چاہئے علم کا جواب قاضی نے کوڑوں سے نہیں دیا بلکہ اس کی بھی عجیب تر یہ ہے کہ دونوں عالم حالانکہ ایک ہی شہر میں تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ قاضی بکار چونکہ المزنی اور ان کے استاد کا رد لکھ رہے تھے اس لئے شرم و حجاب سے مدت تک المزنی سے انھوں نے ملاقات بھی نہ کی اور یہ سارے معاملات غائبانہ ہی چلتے رہے۔ مگر خدا کی شان قاضی بکار کی ایک شرافت کا ثبوت قدرت کو پھر فراہم کرنا تھا، اتفاق یہ پیش آیا کہ کسی مقدمہ میں بحیثیت گواہ کے المزنی کو قاضی بکار کے اجلاس میں حاضر ہونا پڑا، علامہ عبدالقادر صاحب طبقات لکھتے ہیں کہ اس وقت تک قاضی بکار

لا یعرفہ بوجھہ انما کان براہ راست ان کے چہرے سے قاضی بکار مزنی کو نہیں پہچانتے تھے

یسمع عنہ و یتشوق لہ صرف ان کا شہرہ سنتے تھے اور ملنے کا دل میں شوق رکھتے تھے،

لیکن باوجود اشتیاق کے وہی حجاب مانع تھا، اگر یہ نہ ہوتا تو قاضی کو بھلا اپنے شوق کے پورا کرنے میں کونسی چیز مانع آسکتی تھی، خصوصاً اس زمانہ کے قاضی کو کہ جس کو جس وقت چاہتا بلا سکتا تھا، خیر اب ہوا یہ کہ جب المزنی اجلاس میں قاضی صاحب کے سامنے آگئے، دریافت کیا جناب کا

نام کیا ہے، جواب ملا، اسمٰعیل المزنی (ابوابراہیم مزنی کی کنیت ہے، اصلی نام اسمٰعیل ہی تھا، وہی بتا یا گیا) المزنی کے لفظ کا کان میں پڑنا تھا کہ قاضی بکار پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور گھبرا کر دریافت کیا کہ المزنی صاحب الشافعی؟ بولے جی ہاں! قاضی صاحب نے اجلاس کے گواہوں کو جو خاص طور پر شناخت کنندگی کے لئے مصر کے ہر دار القضا میں رہتے تھے ان کو آواز دی اور پوچھا کہ اھوھو (کیا واقعی یہ وہی المزنی ہیں) جب گواہوں نے کہا کہ جی ہاں یہ وہی المزنی ہیں تو شریف قاضی نے سر جھکا لیا اور جو کچھ انھوں نے ظاہر کیا بلا چون وچرا بغیر کسی جرح وقدح کے تسلیم کر لیا کہ ان کے علمی و دینی مقام کے وہ جوہر شناس تھے، رقابت دونوں میں صرف علمی تھی، کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد اجلاس سے المزنی نکلے اور ان کی زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔

ستر الله القاضی سترنی — اللہ قاضی کے عیب کو ڈھانکے (جرح نہ کر کے) اس شخص نے

القاضی ستره الله۔ — میرے عیب کو ڈھانکا، اللہ ان کے عیب کو ڈھانکے۔

مطلب یہ تھا کہ جرح میں اگر چاہتے، بری بھلی باتیں پوچھ سکتے تھے لیکن ایک شریف علم دوست مقابل کا سامنا تھا، اس سے جو توقع ہو سکتی تھی وہی اس نے کیا، غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ یوں تو باہم ایک دوسرے سے الگ الگ رہتے تھے لیکن جب کبھی کسی مقام پر دونوں سے مٹ بھیڑ ہو جاتی، تو المزنی بھی قاضی کے احترام میں کمی نہیں کرتے تھے، ابن خلکان نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ درج کیا ہے امام المزنی کی شرافت کا چونکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے اس لئے غالباً یہاں اس کا نقل کرنا موزوں ہوگا

واقعہ یہ پیش آیا کہ یوں تو ایک دوسرے سے حتی الوسع کنارے رہتے تھے ایک دن کسی جنازہ میں دونوں اکٹھے ہو گئے غالباً تدفین میں کچھ دیر تھی، المزنی جن کی تقریری قوت اور استدلالی مہارت کا مصر میں زور تھا، قاضی بکار کو براہِ راست ان کی زبان سے ان کی تقریروں کے سننے کا موقعہ نہ ملا تھا، خیال آیا کہ آج ذرا سنوں تو سہی کہ واقعی اس شخص کا کیا حال ہے، خود تو تحجاباً براہِ راست

سوال کی ہمت نہ ہوئی، پاس میں جو آدمی اثل نامی کھڑے تھے ان سے قاضی صاحب نے دریافت کرنے کے لئے کہا کہ حدیثوں سے "نبیذ" کی حرمت اور حلت دونوں ثابت ہیں پھر آپ لوگ (شوافع) حرمت ہی کو کیوں ترجیح دیتے ہیں۔

"نبیذ" کا بدنام مسئلہ ایسا تھا کہ حنفیوں کے خلاف عوام کے جذبات کو بآسانی ابھارا جا سکتا تھا لیکن بجائے کسی سخت ودرشت الفاظ کے المزنی نے نہایت آسانی کے ساتھ دو لفظوں میں اس کا ایسا جواب دیدیا کہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی، قاضی بکار بھی چپ ہوگئے، جواب یہ تھا کہ اس کا تو کوئی قائل نہیں کہ اسلام سے پہلے عرب میں "نبیذ" حرام تھی اور اسلام میں حلال ہوئی بلکہ سب ہی یہ مانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں وہ حلال تھی اور یہی مسلم ہے کہ اسلام نے نبیذ کے متعلق جاہلیت کے حکم میں کچھ ترمیم ضرور کی اور وہ حرمت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے اسی لئے حرمت کی حدیثوں کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔

قاضی ابن خلکان جو شافعی المذہب اور شافعیت میں تعصب بھی رکھتے ہیں انھوں نے المزنی کے اس جواب کو حرمت "نبیذ" کے متعلق (من الادلۃ القاطعۃ) "قطعی دلیلوں میں سے" قرار دیا ہے حالانکہ اگر نبیذ کے حرام ہونے کی قطعی دلیل یہی ہے تو اس کی قطعیت کا دعویٰ کرنا شاید نبیذ کے جواز کی دلیل بن جائے، آخر اتنی کمزور دلیل کو قطعی قرار دینے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ فریق کے پاس یہ یا اس سے زیادہ محکم دلیل اور کوئی نہیں ہے افسوس کہ اس وقت میرے موضوع سے یہ بحث خارج ہے ورنہ اس کی قطعیت پر بہت اچھی بحث ہو سکتی ہے اور اس دلیل سے خدا جانے کتنی حلال چیزیں حرام ثابت ہو سکتی ہیں اسی لئے میرا خیال ہے کہ امام مزنی کا یہ جواب محض ایک ٹالنے اور بحث کو ختم کر دینے والا جواب تھا وہ قاضی بکار سے سن مکھ ہو کر احتراماً بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ خصوصاً جب ان کے شریفانہ برتاؤ کا ان کو ایک دفعہ تجربہ ہو چکا تھا۔

(باقی آئندہ)